چودھری ظفراللہ قادیانی کا اصل روپ

(تحریر: م۔ب (سابق قادیانی)

چودھری ظفراللہ خاں مشہور و معروف سیاست دان' قادیانیت کا ستون اور مثالی انگریز نواز تھے۔ وہ برٹش سامراج کی غلامانہ خدمات اور ان کے خود کاشتہ پودے (قادیانی مذہب) کے سرگرم رکن ہونے کے باعث دنیوی ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرتے چلے گئے۔ سر ظفراللہ چونکہ ساری زندگی بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اس لیے اکثر نادان ان کی زندگی بڑی خوشگوار اور مطمئن خیال کرتے تھے۔ اور اب بھی اکثر لوگ سمجھتے ہیں' خاص طور پر قادیانی حضرات تو ان کی بظاہر شاندار زندگی اور بڑے عہدوں پر تعیناتی کو قادیانی مذہب کی حقانیت پر دلیل قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سر ظفراللہ کی بظاہر شاندار زندگی اندر سے بالکل کھوکھلی اور عبرتناک تھی۔ ان کو ساری عمر گھریلو سکون نصیب نہ ہوا۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ تینوں کا انجام حسرت ناک رہا۔ کوئی شادی کامیاب نہ رہی۔ کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس کا بھی انہیں ساری عمر قلق رہا۔ سر ظفراللہ کو اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے نیز حکومت اور اپنے مذہبی سربراہوں کی مکمل تائید و مدد کے باوجود ساری عمر جن جن حسرتوں' ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا رہا' اور بالاخر نہایت عبرت ناک ذلت آمیز موت سے ہم آغوش ہونا پڑا۔ اس کا مفصل حال قارئین درج ذیل سطور میں پڑھیں گے۔ ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف نوع کے عذاب ان پر وارد کیے گئے تاکہ انہیں خبردار کیا جائے کہ قادیانیت سے توبہ کرلیں مگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا۔

سر ظفراللہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرزا غلام احمد سے متاثر تھے اور قادیان آتے رہتے تھے۔ ظفراللہ بھی کبھی کبھار ان کے ساتھ قادیان جا۔۔ لگے۔ حکیم نور الدین کی دوربین نظر نے لڑکے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور ان کے والد کو خط لکھا کہ بیٹے کی بیعت کرادو۔ یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے۔ پوسٹ کارڈ ظفراللہ نے بھی پڑھا۔ جب والد کے ساتھ قادیان گئے' تو ان کا خیال تھا والد بیعت کے لیے کہیں گے۔ مگر نہ جانے کیوں انہوں نے بیٹے سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کہا۔ حتیٰ کہ واپس سیالکوٹ جانے لگے۔ لیکن ظفراللہ پر چونکہ حکیم نور الدین کا اثر تھا' اس لیے ان کے خط کے پیش نظر ستمبر ۱۹۰۷ء میں مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ابتدائی تعلیم مشن اسکول سیالکوٹ میں حاصل کرکے ۱۹۱۱ء میں گورنمنٹ کالج سے گریجویشن کیا۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک کنگز کالج کیمبرج انگلینڈ میں پڑھے اور بیرسٹری پاس کی۔ نیز انگلستان' سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کا سفر کیا۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفراللہ بچپن سے ہی مشن اسکول' قادیانیت اور برٹش سامراج کے جال میں پھنس گئے۔ نوعمری میں ہی انگلینڈ میں انہیں اپنی خاص نگرانی میں انگریزوں نے اعلیٰ تربیت دی اور پھر ساری عمر اس لڑکے کی عقل' علم' ہوشیاری اور صلاحیتوں کو جس طرح چاہا استعمال کیا۔

یورپ سے واپسی کے بعد ظفراللہ قدرے ماڈرن ہوگئے تھے۔ ان کا گھرانہ زمیندارانہ تھا۔ ان کے والد اپنے خاندان کی ایک سیدھی سادی لڑکی سے ان کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ ظفراللہ کسی ماڈرن لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن والد کے سامنے پیش نہ چلی اور مجبوراً شادی ہوگئی۔ لیکن ظفراللہ نے عملی طور پر اس لڑکی کو کبھی بیوی کے طور پر قبول نہ کیا۔ نہ اس سے میل جول رکھا۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۶ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد سر ظفراللہ نے اپنی مرضی سے ایک ماڈرن' تعلیم یافتہ' اپنی پسند کی تیز طرار لڑکی "بدر" سے شادی کرلی۔ جس سے ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی' جس کا نام امت الحئی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور اولاد نہ ہوئی۔ سر ظفراللہ کو نرینہ اولاد کی بہت خواہش تھی۔ اس کے لیے وہ ساری عمر بہت دعائیں' دوائیں' مجاہدے' خیرات' صدقے اور سب حیلے کرتے رہے۔ مگر نصیب میں بیٹا نہ تھا اور یہ نعمت قادیانی پیر اور برطانوی سامراج بھی دینے میں ناکام رہا۔ بعض بزرگوں نے تو ظفراللہ سے کہہ دیا تھا کہ چونکہ تم نے

پہلی بیوی سے اچھا سلوک نہیں کیا اور دوسری شادی والد کی مرضی کے خلاف کی' اس طرح اس کی روح کو دکھ پہنچایا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ تم سے سخت ناراض ہے اور تمہارے ہاں بیٹا نہیں ہو گا۔ اس ماڈرن بیوی نے ویسے بھی چودھری صاحب (سر ظفراللہ) کو وہ تگنی کا ناچ نچایا کہ چودھری صاحب اس سے زیادہ تر دور ہی رہنے لگے۔ اور اپنے پیرو مرشد مرزا کی فیملی میں دلچسپی لینے لگے۔ مرزا بشیرالدین محمود' مرزا غلام احمد کے بیٹے جو کہ ۱۹۱۴ء میں قادیانیوں کے خلیفہ دوم بن چکے تھے۔ یہ سر ظفراللہ کے قریباً ہم عمر تھے۔ مرزا بشیرالدین محمود بہت ہوشیار چالاک' تیز فہم آدمی تھے۔ انہوں نے شروع سے ہی ظفراللہ سے یاری گانٹھ لی۔ ظفراللہ کا بھی گھریلو چپقلش کے باعث اپنے گھر دل نہ لگتا تھا۔ اس لیے اپنے پیر کے لڑکے لڑکیوں میں دلچسپی لینے لگ گئے۔ یہ دلچسپی اتنی بڑھی کہ بیرون ملک سے پاکستان واپسی پر اپنے گھر کی بجائے مرزا محمود کے گھر ہی قیام کرتے۔ ادھر ان کی بیوی (والدہ امت الحیٔ) ان کی عدم توجہی سے شاکی رہنے لگی۔ غالباً ۶۲ء میں اس نے ظفراللہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور مشہور قادیانی سرمایہ دار شاہنواز سے شادی کر لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ظفراللہ کا بشریٰ ربانی' ایک فلسطینی سے شادی کا سلسلہ بن رہا تھا جو ان کی بیوی پر گراں گزرا ہو۔ جب سابقہ بیوی نے شاہنواز سے شادی کر لی تو ظفراللہ نے جو شائد اسی موقع کے منتظر تھے' فوراً فلسطینی خوبرو دوشیزہ بشریٰ ربانی سے شادی رچا لی۔ ظفراللہ اس وقت ستر برس کے پیٹے میں تھے اور بشریٰ ربانی نوعمر دوشیزہ تھی۔ اس شادی پر مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد نے قادیانی آرگن "الفضل" میں مضمون شائع کیا جس میں اس شادی پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور سب قادیانیوں سے بیٹے کی پیدائش کے لیے دعا کی درخواست کی اور خود بھی دعا کی کہ اللہ پاک چودھری صاحب (سر ظفراللہ) کو بیٹا عنایت کرے۔

مگر وائے افسوس کسی قادیانی کی دعا اس بارے میں شرف قبولیت نہ پا سکی۔ ہو سکتا ہے اس طویل مہلت سے فائدہ اٹھا کر چودھری صاحب قادیانیت سے تائب ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ سے بھی نواز دیتا۔ یہ تیسری شادی بھی بے ثمر رہی۔ بڈھا گھوڑا لال لگام کے مصداق خوبصورت فلسطینی دوشیزہ کی ان سے نبھ نہ سکی۔ شنید ہے کہ بشریٰ ربانی کا نوجوان ناکام منگیتر اس سے ملنے کسی نہ کسی بہانے آتا رہتا تھا اور اس نے چودھری صاحب

پر پستول بھی اٹھایا تھا۔ بالآخر اس قسم کے ناگفتنی حالات کی بنا پر یہ شادی بھی ناکام ہوئی اور علیحدگی ہو گئی۔ اور ظفراللہ بھری دنیا میں اکیلے بے یار و مددگار رہ گئے۔ ان کی بیٹی بھی اپنی ماں کا ساتھ دیتی تھی۔ اس لیے چودھری صاحب پر بیٹی کا گھر بھی بند تھا۔ مرزا محمود جوان کا پیر اور یار تھا' کئی سال سے مفلوج پڑا تھا۔ دو بھائی تکلیف دہ اموات سے مر چکے تھے اور چھوٹا بھائی اسداللہ خان بھی فالج سے معذور تھا۔ کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ کہنے کو ان دنوں ہالینڈ میں ہیگ کی انٹرنیشنل کورٹ میں جج تھے۔ بظاہر بڑی شان تھی لیکن اندرونی حالت یہ رہی کہ قریباً پندرہ سال ہالینڈ میں قادیانی مشن کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتے رہے اور اس کے بعد ۱۹۷۳ء سے ۸۳ء تک انگلینڈ کے قادیانی مشن کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں گزارے۔ کوئی عزیز پرسان حال نہ تھا۔ قادیانی مشنریوں کی بیویوں اور لڑکیوں سے دل بہلاتے رہتے۔ اکثر جب وہ ہوائی جہاز سے اترتے تو ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی نوعمر لڑکا ہوتا۔ نوعمر لڑکوں سے ان کی دلچسپی مشہور عام تھی۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا' وہ بلا ثبوت نہیں بلکہ اکثر باتیں قادیانیوں کی اپنی کتابوں' رسالوں' اخباروں میں ہی درج ہیں۔ مثال کے طور پر قادیانی ماہنامہ "خالد" کے ظفراللہ خاں نمبر میں مرزا محمود کی سب سے چھوٹی بیوی "مہر آپا" چودھری ظفراللہ سے اپنے تعلقات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

"اپنی کوٹھی تعمیر ہونے سے قبل جب کبھی آپ حضرت فضل عمر (مراد مرزا محمود) سے ملاقات کے لیے آتے اور مرکز سلسلہ میں قیام فرماتے تو اپنے جس گھر میں حضور (مرزا محمود) کی باری ہوتی (مرزا محمود کی کئی بیویاں تھیں۔ ہر بیوی کے گھر باری باری جاتے) آپ بھی اسی گھر کے مہمان شمار ہوتے۔ جب کبھی مجھے آپ کی میزبانی کا موقعہ ملتا تو میں آپ کی بیماری کے پیش نظر مناسب غذا تیار کرواتی۔ ایک دفعہ آپ نے حضور سے کہا کہ مہر آپا میرے کھانے کا بہت تکلف سے اہتمام کرتی ہیں..... حضرت فضل عمر (مرزا محمود) کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ آپ کا سامان خود اٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اٹھانے کے لیے قلی وغیرہ عام نہیں ہوتے...... دوران سفر وینس اٹلی پہنچے تو وہاں نہ کوئی قلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چودھری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر کار سے

گنڈولے تک پہنچایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ لے جائیں۔ خیر بیبیوں کو پتہ تھا ظفراللہ ساتھ ہے۔ خود ہی سامان اٹھاتا پھرے گا۔ وہ (چودھری ظفراللہ) تو اپنے حبیب حضرت فضل عمر (مرزا محمود) کے عشق و محبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سب کام کر رہے تھے"۔

اس طرح کے واقعات رائل فیملی (خاندان مرزا) کے لوگ بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں۔ جن سے بڑے بڑے قادیانیوں کی غلامانہ خدمات کا اظہار ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ عام قادیانی جب یہ پڑھے گا کہ ظفراللہ جیسا پائے کا قادیانی بزرگ "رائل فیملی" کا اتنا غلام اور گر کر خدمت کرتا ہے تو وہ بھی ہر طرح غلامی اور خدمت میں ترقی کرے گا۔ نہ صرف خود بلکہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے بھی "رائل فیملی" کی خدمت کروائے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قادیانی اپنی ماؤں' بہنوں' بیٹیوں کو رائل فیملی کے افراد سے پردہ نہیں کرواتے اور ان کو مجبور کرتے ہیں کہ رائل فیملی کی ہر طرح تن من دھن سے سیوا کریں۔ ان کی اطاعت ایسے کریں جیسے کوئی چیز بے حس و حرکت ہو اور اس سے کچھ بھی کر گزرا جائے وہ چوں نہ کرے۔ چنانچہ اسی ماہنامہ "خالد" کے ص ۱۲۹ پر ایک قادیانی مسمی عبدالمالک چودھری ظفراللہ کی قادیانی خلیفہ مرزا ناصر سے ملاقات کا حال یوں بیان کرتے ہیں "ملاقات کے دوران میں نے دیکھا کہ آپ حضور (مرزا ناصر) کے سامنے اس طرح سے کھڑے ہیں گویا کوئی چیز بے حس و حرکت ہے۔ اس روز خاکسار نے اندازہ لگایا کہ ہم میں اطاعت کی وہ روح تاحال موجود نہیں جو امام کی قدر و منزلت کے لحاظ سے ضروری ہے۔

قارئین اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو قادیانی اپنے مذہب کو اصل اسلام کہتے ہیں اور اہل اسلام کو گمراہ اور کافر قرار دیتے ہیں اور اپنے تئیں اسلام کے اندر سے برائیاں دور کر کے صحیح اسلام پر کاربند قرار دیتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ یہ کہاں کا اصلی اسلام ہے کہ اپنے آپ اور اپنی ماؤں' بہنوں' بیٹیوں غرضیکہ ہر چیز کو گدی نشینوں کے اس طرح قدموں میں ڈال دو کہ مکمل اطاعت ہو جس سے وہ جو چاہیں' کر گزریں۔ جائز ناجائز اور حلال و حرام کا فرق ہی نہ رہے۔ انسان کو خدائے لم یزل بنا لینا' قادیانی مذہب کا شیوہ تو ہو سکتا ہے' اسلام کا ہرگز نہیں۔ جن قادیانیوں کی بیویاں رائل فیملی کی خدمت سے انکار کر دیتی ہیں' ان کا حال وہی ہوتا ہے جو ظفراللہ کی بیویوں کا ہوا کہ خاوند

نے اپنا ایمان کامل مرزا پر ثابت کرنے کے لیے اپنی بیویوں کو چھوڑ دیا۔ قادیانی نبی اور ان کے خود ساختہ خلفا ہی نہیں' دیگر بعض نام نہاد دنیا پرست اور گدی نشینوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی دولت مند ان کے چکر میں پھنس جائے یا کار آمد شخص مریدی کے جال میں آ جائے تو کوشش کر کے اس کو گھربار سے متنفر کر کے اپنے ڈیرے کے لیے وقف کر لیتے ہیں تاکہ اس کی صلاحیتوں اور دولت سے اپنی ذات کے لیے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ یہی قادیانی "خلیفہ" مرزا محمود نے ظفراللہ کے ساتھ کیا کہ اسے گھربار سے متنفر کر کے اپنی ذات کے لیے اس سے نوکر چاکر کی طرح کام لیا اور ذاتی فائدے کے لیے اپنی فیملی کی مستورات تک کو اس کے سپرد کر دیا اور ظفراللہ کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور اس سے قادیانی مذہب کے لیے عالمی مبلغ کا کام لیا اور دنیا میں کئی جگہ ظفراللہ کے ذاتی خرچ سے مشن ہاؤس تعمیر کروائے۔ اس سے ساری دولت وصیت نامے کے ذریعے قادیانی مشن (یعنی مرزا قادیانی کی آل اولاد جس کی وارث ہے) کے نام لکھوالی۔

"مہر آپا' جو مرزا محمود کی ساتویں بیوی تھیں' مرزا محمود کی عمر ۶۰ سال کے قریب تھی اور مہر آپا قریباً ۱۹ برس کی تھی۔ جب یہ شادی ہوئی' سر ظفراللہ اپنی سروس کے دوران زیادہ تر یورپ میں ہی رہے۔ اپنی بیویوں' بیٹی' گھربار کی تو کبھی خبر نہ لی لیکن مرزا محمود اور ان کی فیملی کو خوب سیر و سیاحت کراتے۔ "مہر آپا" میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ محترمہ اپنے مضمون میں آگے چل کر تحریر کرتی ہیں:

"اس احساس کے تحت کہ میں گوشت کی کوئی چیز نہیں کھا رہی' چودھری صاحب نے حضور سے کہا (حضور سے مراد مرزا محمود ہے) حضور! میں حسب سابق شرع کی پابندی ملحوظ رکھتے ہوئے مہر آپا کے لیے ایک خاص ڈش کا انتظام کرتا ہوں۔ ان کو وہ ضرور پسند آ جائے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اس ڈش کا آرڈر دیا۔ جب وہ ڈش تیار ہو گئی تو چودھری صاحب نے حضور سے کہا کہ یہ خاص طور پر مہر آپا کے لیے بنوائی گئی ہے۔ ان سے کہیں اب تو کھا لیں۔ ڈش دیکھنے میں خوش نظر تھی مگر میرا دل کسی طور راضی نہ ہوا اور میں نے ڈش چپکے سے چھپا دی......

......اسی طرح آسٹریا میں ایک دفعہ کھانے کا وقت ہوا تو ہم ہوٹل میں آ گئے۔ چودھری صاب نے میرے لیے بھی انڈوں کا سوپ منگوایا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ مجھے یہ اچھا

نہیں لگتا۔ جب چودھری صاحب کو پتہ چلا کہ میں وہ نہیں پی رہی تو آپ نے "زرمی خورم" کہتے ہوئے پی لیا۔

ایک بار وینس میں چودھری صاحب نے ہم مستورات کے لیے کھلے سمندر کی سیر کا انتظام کیا...... صاحبزادی امت الجمیل 'صاحبزادی امت التین' (مرزا محمود کی صاحبزادیاں جو کہ دوسری بیویوں سے ہیں) اور میں سیر کے لیے گئے۔ سیر کے دوران چودھری صاحب بہت سے اہم تاریخی مقامات دکھاتے چلے گئے اور ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بھی بتاتے رہے۔ طوالت کے خوف سے صرف مختصر اقتباسات ہی درج کیے ہیں۔ قادیانیوں کے اپنے لٹریچر سے ثابت ہے کہ چودھری صاحب اپنے پیر اور ان کے کنبہ میں اس قدر مست تھے کہ انہیں اپنے گھربار تک کا ہوش نہ تھا۔ اپنی ۹۳ سالہ عمر میں ۹۰ سال تک انہوں نے گھر کا رخ نہ کیا۔ تا آنکہ صحت نے بالکل جواب دے دیا اور موت سر پر منڈلاتی نظر آنے لگی تو ۱۹۸۳ء میں بیٹی کے پاس لاہور آ گئے۔ اسی بیٹی کے گھر ان کی سابقہ بیوی بھی رہتی تھی۔ ساری عمر بیٹی کے گھر نہ ٹھہرتے تھے کہ ماں کو وہاں سے نکالو۔ مگر بیٹی اس کے لیے تیار نہ ہوئی۔ آخر مرن کنارے ذلیل ہو کر اسی بیٹی اور سابقہ بیوی کے سامنے اسی کے گھر رہ کر چل بسے۔

مرزا محمود نے بھی ظفراللہ کو خوب پھانسے رکھا۔ ایک دفعہ مرزا محمود نے لندن میں میموں کا ڈانس دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو چودھری صاحب انہیں ایسی جگہ لے گئے جہاں میموں کا عریاں ڈانس ہو رہا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل معہ حوالہ جات کے "ختم نبوت انٹرنیشنل" کے ایک گزشتہ شمارے میں تحریر ہو چکی ہے۔

بعض اور مشہور نامور مسلمان ہستیاں مثلاً مولانا محمد حسین بٹالوی 'علامہ اقبال' سر فضل حسین' شیخ تیمور وائس چانسلر خیبر یونیورسٹی' ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی' میر عباس علی لدھیانوی' مولانا لال حسین اختر' زیڈ اے سلیری وغیرہ بھی شروع میں قادیانی تحریک سے متاثر ہوئے لیکن اپنی خداداد ذہانت اور بصیرت کے باعث وہ جلد ہی قادیانیت کے جال سے نکل گئے۔ اہل اسلام کو اور خاص کر ہندوستان کے نامور مسلمان لیڈروں کو سر ظفراللہ سے بھی امید تھی کہ وہ جلد یا بدیر دوبارہ اہل اسلام میں واپس شامل ہو جائیں گے مگر جیسا کہ اوپر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے' مرزا محمود نے ان کے اردگرد ایسا تانابانا بن دیا تھا کہ وہ اس

میں سے نکل نہ سکے۔ مرزا محمود کو بھی دھڑکا تھا کہ سر ظفراللہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس لیے وہ چودھری صاحب پر ہر طرح کی نوازشات کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ بڑے بڑے پاکستان کے شہر مثلاً لاہور اور کراچی کی امارت ہمیشہ کے لیے چودھری صاحب کے خاندان کے نام کر دی۔ یعنی لاہور اور کراچی کی قادیانی جماعتوں کا سربراہ (جسے امیر جماعت کہا جاتا ہے) ہمیشہ چودھری ظفراللہ کے خاندان سے ہو۔ چنانچہ لاہور کا پہلا امیر جماعت چودھری ظفراللہ کا چھوٹا بھائی چودھری اسداللہ رہا۔ جب وہ مفلوج ہوگیا تب سے چودھری ظفراللہ کا بھتیجا اور داماد حمید نصراللہ لاہور کی قادیانی جماعت کا امیر ہے۔ اسی طرح کراچی کی جماعت کا امیر سر ظفراللہ کا بھائی چودھری عبداللہ خان ساری عمر رہا۔ جب وہ بلڈ کینسر کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۹۵۹ء میں مرگیا تو ان دنوں شیخ رحمت اللہ نائب امیر تھا۔ وہ چودھری عبداللہ کی موت کی وجہ سے امیر جماعت ہوگیا۔ اس پر چودھری خاندان نے احتجاج کیا۔ چنانچہ فوری طور پر ربوہ سے مرزا محمود نے ایک وفد' مولوی اللہ دتہ جالندھری' مولوی جلال الدین شمس اور مولوی غلام احمد فرخ (جو چوٹی کے قادیانی مربی تھے) پر مشتمل' کراچی بھیجا جس نے سمجھ بجھا کر نیز کچھ لوگوں سے الزامات لگوا کر شیخ رحمت اللہ کو امارت سے علیحدہ کیا اور اس کی جگہ چودھری ظفراللہ کے قریبی عزیز چودھری احمد مختار کو امیر جماعت کراچی نامزد کر دیا۔ جو تب سے امیر چلا آرہا ہے۔ یہاں یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ قادیانی قوانین کے مطابق کوئی امیر جماعت تین سال سے زائد نہیں رہ سکتا۔ تین سال بعد انتخابات کر کے دوسرا امیر بنانا ہوتا ہے لیکن چودھری احمد مختار ۲۶ سال سے امیر جماعت چلا آرہا ہے۔

اسی طرح لاہور کا امیر جماعت چودھری ظفراللہ کا بھتیجا ہے جو سالہا سال سے امیر جماعت چلا آرہا ہے۔ اگر کسی جماعت کا امیر قادیانی خلیفہ کی مرضی کا نہ منتخب ہو تو وہ اس کا انتخاب کالعدم قرار دے کر اپنا کوئی پٹھو نامزد کر دیتا ہے۔ ان خاندانی مراعات کے علاوہ ظفراللہ خاں کو پوری دنیا میں قادیانی سرکاری ترجمان کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ جس ملک میں بھی جاتے' قادیانی مشن کا پورا عملہ ان کے استقبال اور خدمت کو حاضر رہتا۔ وہ مشن ہاؤس میں رہتے اور وہاں کے مشنری اور ان کے بیوی بچوں کا فریضہ ہوتا کہ وہ ان کی ہر خدمت کریں۔ چنانچہ ہیگ میں عالمی عدالت کے جج کے دوران وہ ہیگ کے قادیانی مشن ہاؤس میں پندرہ سال ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۳ء تک قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد لندن کے

قادیانی مشن ہاؤس میں فروری ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۳ء تک قیام پذیر رہے۔ قادیانی مشنری بھی اپنے خلیفے کی خوشنودی کے لیے اپنی فیملی کو چودھری صاحب کی سیوا کے لیے وقف کر دیتے۔ چنانچہ ہالینڈ کے قادیانی مشنری اپنے نوعمر بیٹے سے سر ظفراللہ کے لگاؤ اور بے تکلفی کا اظہار فخریہ یوں کرتے ہیں "ایک دفعہ میرا بیٹا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چودھری صاحب اسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ دکھانے لگے...... میرے لیے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ حضرت چودھری صاحب کا سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔ آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

لندن کے قادیانی مشن کے مشنری کی بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

اس عاجزہ کو متواتر دس سال حضرت چودھری صاحب کی خدمت کی توفیق عطا ہوئی۔ یوں تو ۱۹۵۹ء سے ہی حضرت چودھری صاحب سے اس تعلق کا آغاز ہوا۔ آپ ان دنوں جب بھی لندن تشریف لاتے' ہمارے ہاں تشریف لاتے اور ایک وقت کا کھانا ضرور ہمارے ساتھ تناول فرماتے۔ لیکن ۱۹۷۳ء میں جب ہیگ سے مستقلاً نقل مکانی کر کے لندن تشریف لائے تو لندن مشن کے ایک فلیٹ میں' جو ہمارے فلیٹ سے ملحق تھا' رہائش پذیر ہوئے۔

جب میری بچی امت الجمیل کی شادی ہوئی تو آپ روزانہ ہی شادی کے انتظامات کے بارے میں دریافت فرماتے۔ شادی سے چند روز قبل فرمایا...... میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اسے کوئی اچھا سا تحفہ پیش کروں کیونکہ اس نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میری دوسری بیٹی امت النصیر کی شادی پاکستان آ کر ہوئی۔ رخصتانہ سے قبل آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ امت النصیر سے الگ ملنا چاہتے ہیں۔ اس کا انتظام کر دیا گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے...... الخ

ہمارے پاکستان آنے کے بعد حضرت چودھری صاحب جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ میرے خاوند نے کئی بار اصرار بھی کیا کہ آپ کو ہمارے ہاں آنے سے زحمت اٹھانی پڑتی ہو گی۔ اس لیے آپ جب ربوہ تشریف لائیں تو ہمیں اطلاع فرما دیں ہم حاضر ہو جائیں گے لیکن نہ مانتے"۔ (ایضاً' ص ۱۶۴-۱۶۳) طوالت سے بچنے کے لیے مختصر اقتباسات دیے گئے ہیں۔

سو قارئین حضرات! یہ وہ حالات تھے جن میں مست ہو کر ظفراللہ صاحب ساری عمر اپنا گھربار' بیویاں بچی تج کر قادیانیت اور رائل مرزا فیملی کے بندہ بے دام بنے رہے۔ کاش کہ وہ اپنی ساری صلاحیتیں اور دولتیں اور عقیدتیں اس چھوٹے سے قادیانی سازشی گروہ پر نچھاور کرنے کی بجائے آنحضرت ﷺ کی عقیدت و محبت اور پوری دنیائے اسلام اور امت محمدیہ کے لیے وقف کر دیتے۔ اس طرح وہ دین و دنیا اور آخرت سب میں سرخرو ہو جاتے۔ مگر انہوں نے سمندر کی وہیل بننے کے بجائے کنوئیں کا مینڈک بننے کو ترجیح دی۔ اور بہمہ صلاحیت و عقل و دانش گھریلو زندگی میں بھی نامرادی میسر آئی اور جس تحریک کے لیے تن من دھن حتیٰ کہ اپنا مذہب دین اسلام چھوڑ بیٹھے تھے' اس کا بھی مرنے سے پہلے حسرت ناک انجام دیکھ لیا اور موت ایسے عبرت ناک حالات میں ہوئی کہ غیر مسلم قرار پا چکے تھے اور ان کا پیرو مرشد فرار ہو کر اپنی ولی نعمت ملکہ کی آغوش میں لندن پناہ لے چکا تھا۔

چودھری ظفراللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خسیس ہونے کی حد تک کنجوس تھے۔ ان کی خساست کے بہت سے دلچسپ واقعات ان کے نہایت قریبی عزیزوں اور دوستوں نے بیان کیے ہیں۔ جن میں سے نمونے کے طور پر چند ایک قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔

ا۔ پرنسس عابدہ سلطان آف بھوپال اقوام متحدہ امریکہ میں چودھری صاحب کی رہائش گاہ کا احوال یوں بیان کرتی ہیں "چوتھی منزل کے اوپر ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ پڑا تھا اور دوسری عام ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر سمجھی کہ غالباً یہاں چوکیدار رہتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ بھئی یہ کس کا کمرہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں پاکستان کے وزیر خارجہ رہتے ہیں..... مجھے تو بہت برا لگا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ ان کو اتنا الاؤنس ملتا ہے' اتنی تنخواہ ملتی ہے' ان کے سارے اخراجات گورنمنٹ ادا کرتی ہے اور یہ ایسی پھٹیچر جگہ پڑے ہوئے ہیں اور یہ بات ہماری بدنامی کا باعث ہے کہ ہمارا وزیر خارجہ اس طرح پڑا ہوا ہے...... چونکہ میرے اور ان کے بہت بے تکلفی کے اور برسوں پرانے تعلقات تھے۔ چنانچہ پہلی فرصت میں' میں نے ان سے بہت جھگڑا کیا۔ میں نے کہا ظفراللہ صاحب آپ کو کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ آپ اس طرح پڑے ہوئے ہیں"۔ (قادیانی ماہنامہ "خالد" دسمبر ۸۵ء)

۲- چودھری ظفراللہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ میرے بارے میں مشہور ہے کہ یہ شخص کنجوس ہے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ ہونے کے دوران ایک دوست آپ کے دفتر کے باتھ روم میں گئے اور دیکھا کہ ایک پرانے صابن کے ٹکڑے کے ساتھ نیا صابن جڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے اور اس کا ذکر مکرم چودھری صاحب سے کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ میں پرانا بچا ہوا صابن بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے نئے صابن سے جوڑ کر استعمال کرتا ہوں"۔ (ایضاً ص ۱۲۳)

۳- چودھری صاحب کے بھتیجے ادریس نصراللہ بیان کرتے ہیں "ایک دفعہ ایک عزیز نے پوچھا آپ کے پاس رومال ہے' فرمایا ہاں ہے اور اپنا رومال دے دیا۔ اس نے سارے رومال سے اپنے دونوں ہاتھ پونچھ لیے۔ نہایت شفقت سے فرمایا آپ کو دراصل تولیہ کی ضرورت تھی۔ رومال تو ہنگامی ضرورت کے لیے ہے۔ پھر فرمانے لگے "میں رومال کی مختلف تہیں کر کے ایک تہہ عموماً ایک ہفتہ استعمال کرتا ہوں اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور اس طرح ایک دھویا ہوا رومال قریباً دو ماہ کفایت کرتا ہے۔ میرے پاس دو رومال ہیں اور جس دوست نے یہ رومال تحفتاً دیے تھے' ان کی وفات کو ۲۷ سال ہو چکے ہیں"۔ اسی طرح ایک دفعہ فرمایا "میں اپنے رومال' بنیان' جراب اور قمیض وغیرہ ہالینڈ میں خود دھوتا ہوں"۔ (یہ ان کی ناکام اور پریشان کن ازدواجی اور گھریلو زندگی کے انتشار کا خمیازہ بھی تھا) جبکہ اس وقت ان کی ماہوار آمدن تقریباً ۶۰ ہزار روپے سے زائد تھی۔ (ایضاً ص ۱۳۰)

۴- فرمایا کہ "میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب تم کوئی قمیض پہننی ترک کر دیتے ہو تو پھر وہ کسی کام کی نہیں رہتی"۔ (ص ۱۶۹)

۵- ایک دفعہ گلے کا بٹن کپڑے پہنتے ہوئے گر گیا۔ برادرم مکرم حمید صاحب اسے ڈھونڈنے لگے تو فرمایا "تم رہنے دو میں خود ڈھونڈ تا ہوں۔ تم ابھی کہہ دو گے کہ نہیں ملتا اور رلا دیتا ہوں اور میرے پاس یہ بٹن ۴۵ سال سے ہے"۔ (ایضاً ص ۱۳۰)

۶- ایک دفعہ فرمانے لگے کہ "ہالینڈ میں صبح کے ناشتے کے لیے وہ انڈہ استعمال کرتا ہوں جس میں دو زردیاں ہوتی ہیں۔ ایک زردی میں ایک دن کھاتا ہوں اور دوسری اگلے روز"۔ (ص ۱۵۳)

۷- "آپ اپنی ذات پر بالکل نہ ہونے کے برابر خرچ کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ

ایک دفعہ موسم سرما کے شروع میں لندن سے لاہور تشریف لانے والے تھے۔ مجھے محترمہ امت الحیٔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ابا تشریف لا رہے ہیں اور ان کا کوٹ بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔ اسے بھجوا رہی ہوں۔ اسے مرمت کروا دیں۔ کوٹ کا نہ صرف استر پھٹ چلا تھا بلکہ بیرونی کپڑے میں بھی جگہ جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نئے کپڑے کے چند نمونے بھجوا رہا ہوں۔ آپ پسند کر لیں۔ میں ابا حضور کی آمد سے پہلے درزی سے نیا کوٹ سلوا دوں گا۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا رشید! یہ ناممکن ہے۔ ابا ہرگز نیا کوٹ نہیں پہنیں گے۔ بلکہ ہم پر شدید ناراض ہوں گے اور ایسا ہی واقعہ آپ کے ایک جوتے کی مرمت کا بھی ہے"۔ (ص ۱۴۸)

۸۔ عبدالکریم صاحب آف لندن بیان کرتے ہیں "حضرت چودھری صاحب نے ایک دفعہ ان کی بڑی بیٹی عزیزہ صادقہ کو اپنی ایک قمیص بھجوائی کہ اس کا کالر پھٹ چکا ہے' اسے الٹ دیں۔ جب کئی دن گزر گئے اور قمیص درست ہو کر نہ آئی تو حضرت چودھری صاحب نے فرمایا کہ قمیص ابھی تک درست ہو کر واپس کیوں نہیں آئی۔ اس پر عزیزہ نے جواب دیا کہ اس قمیص کا کالر تو پہلے ہی الٹایا جا چکا ہے۔ اب اسے مزید الٹانے کی گنجائش نہیں"۔ (ص ۷۲)

۱۰۔ ایک دفعہ چودھری صاحب کے ساتھ کھانے میں اور دوستوں کے علاوہ میں بھی تھا میں چودھری صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ کوئی چیز چودھری صاحب سے گر گئی۔ میں نے میز پر موجود وہی چیز آگے کر دی۔ مگر اسی اثناء میں انہوں نے گری ہوئی شے اٹھا لی۔ میں نے عرض کیا یہ رہنے دیں۔ یہاں سے اور لے لیں۔ فرمایا کہ یاد نہیں؟ بچپن میں اگر کوئی چیز گر جاتی تھی تو مائیں کہا کرتی تھیں اٹھا کر پھونک مار کر کھا لو"۔ (ص ۷۳)

۱۱۔ محترم مولانا شمس صاحب نے پوچھا' کیا بات ہے چائے میں کیا دیر ہے؟ جواب دیا دودھ پھٹ گیا ہے۔ چودھری صاحب نے فرمایا کہاں ہے لے آؤ۔ جواب ملا پھینک دیا ہے۔ چودھری صاحب نے فرمایا...... پھٹے ہوئے دودھ اور دہی میں کیا فرق ہے۔ مگر انسان ایک کو ضائع کر دیتا ہے۔ دوسرے کو شوق سے کھاتا ہے۔ پھر ایک واقعہ سنایا کہ میں چند دن کے لیے لندن سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس دوران میرے میزبان ڈاکٹر آسکر برونلر کو باہر جانا پڑا۔ وہ جانے سے پہلے گھر میں موجود اشیائے خوردنی کی ایک فہرست میز پر رکھ گئے۔ میں

واپس آیا تو دیکھا کہ دہی پر الی لگی ہوئی ہے۔ میں نے وہ ہٹا کر دہی کھالی۔ جو دوست چائے پلا رہے تھے' انہوں نے بڑی حیرت سے کہا چودھری صاحب آپ نے الی (پھپھوندی) لگا ہوا دہی کھالیا۔ محترم چودھری صاحب نے بڑے پیار سے جواب دیا' ہاں کھالیا۔ (ص ۴۷)

سر ظفراللہ نے لاکھوں کروڑوں کمائے مگر خود اچھا کھانا اور اچھا پہننا تک نصیب نہ ہوا۔ اور یہ دولت کبھی کسی غریب قادیانی کی مصیبت دور کرنے کے کام نہ آئی بلکہ ساری دولت جائیداد مرزا کے خاندان (رائل فیملی) کے لیے وقف ہو گئی۔ نیز اپنی آل اولاد پسماندگان کے نام بھی کچھ نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سر ظفراللہ کو علم و عقل و دانش اور اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا۔ ان کو طویل مہلت قریباً ایک صدی کی دی۔ (۹۳ سال) کہ وہ قادیانی تحریک کا اندر اور باہر اچھی طرح چھان پھٹک کر پرکھ لیں اور تائب ہو کر دین اسلام کی طرف پلٹ آئیں۔ مگر انہوں نے بمہ صلاحیت و دانش اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور طرح طرح کے عذاب جو مختلف ناکامیوں' نامرادیوں' عزیزوں کی بیماریوں اور قادیانیت کے زبردست زوال اور دیگر مصائب جھیل کر بالآخر ایک حسرت ناک اور المناک موت مرے۔ اس عذاب کی ایک جھلک درج ذیل ہے:

۱- پہلی شادی کے موقع پر والد سے جھگڑا۔

۲- خلاف مرضی والد سے دب کر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔

۳- پہلی بیوی سے نہ بنی۔ اس کی ساری عمر خبر نہ لی۔ کبھی میل جول نہ رکھا۔ اس بے گناہ کی بددعائیں لیں۔

۴- والد کے مرتے ہی اپنی مرضی کی ماڈرن دوشیزہ سے شادی کی مگر اس نے ظفراللہ کا ناک میں دم کر دیا کہ بیوی کے پاس رہنا مشکل ہو گیا۔ اس بیوی نے بے وفائی کر کے ایک دوسرے شخص شاہنواز سے شادی رچالی۔

۵- بہت چلے کاٹے مگر نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ بیٹے کی تمنا ساری عمر تڑپاتی رہی۔

۶- بیویوں سے ان بن رہنے سے مرزا محمود کی فیملی میں دلچسپی لینے لگے اور مرزا فیملی نے ہر طرح کا لاسہ ڈال کر ساری دولت اور جائیداد بٹور لی اور زندگی بھر اس دولت اور صلاحیت کو جس طرح چاہا' استعمال کیا۔ غلام اور ذلیل بنا کے رکھا۔ قلیوں تک کا کام لیا۔

۷- ساری عمر نہ اچھا کھانا نہ اچھا پہننا نصیب ہوا۔ دولت اور جائیداد میں سے پسماندگان کو کچھ نصیب نہ ہوا۔ یعنی ایک دیمک زدہ بے ثمر درخت اہل خانہ اور پسماندگان کے لیے ثابت ہوا۔

۸- اوائل جوانی میں اپنے نوجوان بھائی شکر اللہ کی وفات کا صدمہ دیکھا۔

۹- ۱۹۵۹ء میں ظفر اللہ کا سب سے چہیتا بھائی عبد اللہ خان بلڈ کینسر سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا۔

۱۰- ظفر اللہ کا ہمدم ہمراز اور پیرو مرشد مرزا محمود پر سن ۵۳ میں قاتلانہ حملہ ہوا جس کو لے کر یورپ میں جگہ جگہ علاج کے لیے مارا مارا پھرنا پڑا مگر معمولی افاقہ ہونے کے بعد فالج کا حملہ ہوا اور نو سال تک مفلوج ہو کے بچھونے پر پڑا رہنے کے بعد عبرتناک موت مرا۔ (یاد رہے مرزا غلام احمد نے فالج کو جھوٹوں اور لعنتیوں کی بیماری لکھا ہے)

۱۱- باوجود مرزا محمود کے دست راست ہونے کے گدی نشینی کے وقت ظفر اللہ کو کسی نے نہ پوچھا اور مرزا محمود وصیت کر گیا کہ آئندہ خلیفہ صرف اس کی اپنی اولاد میں سے ہوگا۔

۱۲- چھوٹا بھائی اسد اللہ خاں ۱۵ سال تک بعارضہ فالج معذور پڑا رہنے کے بعد ظفر اللہ کی مرگ کے قریبی دنوں میں مرا۔

۱۳- بڑھاپے میں تیسری شادی فلسطینی دوشیزہ سے کی۔ اس کے منگیتر اور ساری دنیا سے جگ ہنسائی کروائی۔ قادیانی پیشواؤں کی دعائیں بیٹے کے لیے قبول نہ ہو سکیں۔

۱۴- قادیانیت کا عبرتناک زوال دیکھا۔ ۱۹۱۴ء میں جماعت کے دو ٹکڑے ہوئے۔ علمائے اسلام کی طرف سے کفر کے فتوے' بالآخر اقلیت قرار پائے۔ مرنے کے وقت صورت حال یہ تھی کہ پوری دنیائے اسلام کا اجماع ہو چکا تھا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ کلمہ' نماز' مساجد اور شعائر اسلام کا استعمال ممنوع ہو چکا تھا۔ پیرو مرشد مرزا طاہر مفرور ہو چکا تھا۔ بعض قادیانی پھانسی کی سزا پا چکے تھے۔

۱۵- اکلوتی بیٹی امت الحئی کی شادی ناکام ہو گئی۔ اس کی پہلی شادی ڈاکٹر اعجاز احمد قادیانی سے ہوئی تھی مگر شادی کے بعد ہی ان بن رہنے لگی اور باوجود سر ظفر اللہ کی ہر طرح کوشش کے بیٹی کو طلاق ہو گئی۔ جس کا ظفر اللہ کو زبردست صدمہ ہوا۔ بعد میں اس کی

شادی ظفراللہ نے اپنے بھتیجے سے کروائی۔

۱۶۔ عبرت ناک موت: جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے ظفراللہ کی دوسری بیوی نے ۱۹۶۰ء میں علیحدگی حاصل کر کے شاہنواز قادیانی سے شادی کرلی تھی۔ مگر یہ شادی چند سال تک ہی نبھی اور اس عورت نے شاہنواز سے بھی طلاق حاصل کرلی اور اپنی بیٹی امت الحیٔ (جو ظفراللہ سے تھی) کے ساتھ رہنے لگ گئی۔ سر ظفراللہ اپنی بیٹی اور سابقہ بیوی کے گھر جانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس لیے پاکستان آتے تو ربوہ میں مرزا فیملی کے مہمان بنتے اور مرزا محمود اور ان کے گدی نشینوں کے ہاں ہی رہائش رکھتے۔ لیکن نومبر ۸۳ء میں لندن میں صحت بہت خراب رہنے لگی اور آخری وقت نظر آنے لگا تو مجبوراً اپنی بیٹی اور سابقہ بیوی کے پاس وطن واپس آنے کا ارادہ کیا۔ لندن میں اپنے دوستوں سے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ دوست بھی حیران ہوئے کیونکہ سب سمجھتے تھے کہ ظفراللہ کا گھر اور ٹھکانہ تو لندن ہی ہے۔ اس لیے احباب نے کہا اب آخر وقت میں جاکر کیا کرو گے۔ یہیں رہ جاؤ۔ بقول شاعر۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں غالب
آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

چنانچہ جب ایک خاص محب منصور بی ٹی نے پوچھا کہ چودھری صاحب یہ کیا سن رہا ہوں تو سر ظفراللہ نے جواب دیا "I Do Not Like To Go In A Box Mansoor" میں تابوت میں بند ہو کر واپس جانا نہیں چاہتا۔ صحت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ Wheel Chair پہیوں والی کرسی سے جہاز میں لے جایا گیا اور لندن سے لاہور پہنچ کر اپنی سابقہ بیوی اور بیٹی کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور اپنی ساری عمر کی بے رخی پر بہت روئے دھوئے۔ اپنی بیٹی اور اس کے بچوں سے التجا کی کہ اب ہر وقت اور کھانے کی میز پر سب ان کے ساتھ اکٹھے کھانا کھایا کریں اور اپنی سابقہ بیوی کی طرف دیکھ کر فرمایا "اگر آپ بھی اس پروگرام میں شامل ہو جائیں تو یہ مجھ پر عنایت ہو گی"۔ (ص ۴۷ ظفراللہ نمبر) لیکن سابقہ بیوی نے ان کے کسی پروگرام میں شرکت نہ کی۔ بلکہ ان سے کلام تک نہ کیا اور یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ لندن سے نومبر ۸۳ میں سخت جان کنی کی حالت میں لاہور آئے کہ بچوں کے سامنے آرام سے جان دیں گے مگر جان بھی آسانی سے نہ نکلی۔ دو سال سخت

تکلیف میں مبتلا رہے۔ آخری دو ماہ تقریباً مسلسل بے ہوشی کی حالت میں گزارے اور کبھی ہوش میں آتے تو سخت اضطراب اور گھبراہٹ میں ہوتے۔ ایک دم چلاتے اور کبھی شدید غصے میں برسنے لگ جاتے۔ کبھی شدت بیماری سے طبیعت بے چین ہو جاتی اور راتوں کو نیند نہ آتی۔

آخری دنوں کی کیفیت ان کی بیٹی امت الحئی یوں بیان کرتی ہیں "ایک مہینہ اور ۱۰ دن کی اس آخری بیماری میں پہلے پانچ دن تو آپ مکمل بے ہوش رہے۔ یہ محض خدا تعالیٰ نے آسمان سے صبر اتارا تھا ورنہ ان کی گرتی ہوئی صحت بلکہ ٹمٹماتی ہوئی زندگی نے ان کے کمرے کا جو ماحول بنا رکھا تھا' اس کو برداشت کرنا میرے لیے ناممکن ہو رہا تھا۔ (گویا بیٹی بھی اس انتظار میں تھی کہ باپ مرے تو سکھ کا سانس لیں)...... وصال سے کوئی سات آٹھ گھنٹے قبل ہر روز انہیں کئی کئی دفعہ مکمل ہوش آ جاتا تھا...... آنکھوں سے آنسوؤں کی مسلسل بارش جاری ہوتی تھی...... مرض الموت کے آخری ہفتہ میں آپ بہت سنجیدہ ہو گئے اور چہرے پر ایسا اثر رہنے لگ گیا کہ بیہوش بھی ہوتے تھے تو کچھ کہنے سے پہلے یا کوئی دوا دینے سے پہلے ہم لوگوں کو گھبراہٹ ہوتی تھی کہ کہیں ہوش آ گیا تو طبیعت پر ناگوار نہ گزرے (یعنی ایسی دہشت ناک حالت تھی کہ لواحقین بے ہوشی میں بھی قریب پھٹکتے ڈرتے تھے) اس عرصہ میں جب بھی ہوش میں آتے تو صرف حضور (مرزا طاہر) کے بارے میں پوچھا کرتے۔ (پیرو مرشد کی دربدری جانکنی میں کتنی تکلیف دیتی ہو گی العیاذ باللہ) میری طرف دیکھتے رہتے۔ میں انہیں بوسہ دیتی مگر وہ کچھ نہ کہتے۔ عائشہ کی عادت بھی میری طرح تھی۔ ایک دن میں نے عرض کی کہ میں ترس گئی ہوں خدا کے لیے کچھ تو کہئے تو فرمایا "Darling The Century Is Over" (ص ۴۶' ظفراللہ نمبر) اسی عبرتناک اور وحشت انگیز کیفیت میں یکم ستمبر ۱۹۸۵ء کو پرلوک سدھار گئے۔

مجموعی طور پر ظفراللہ خاں کی زندگی پر اجمالی نظر ڈالئے تو وہ ناکامی' نحوست اور حرماں نصیبی کی تصویر ہے۔ وہ اپنے والد اور بیوی بچوں یعنی اہل خانہ کے لیے منحوس وجود ثابت ہوئے بلکہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی منحوس ثابت ہوئے کہ اتنی کثیر مال و دولت میسر ہونے کے باوجود انہیں اچھا کھانا' پہننا نصیب نہ ہوا۔ پیوند لگے سوراخوں والے کپڑے اور جوتے' کھانے میں پھپھوندی وغیرہ کھاتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ان کے عزیزوں نے بیان کیا

ہے۔ ملک وملت کے لیے بھی وہ منحوس وجود ثابت ہوئے اور جس جگہ بھی انھوں نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا' وہاں ناکامی اور نامرادی ہاتھ آئی۔ مثلاً پنجاب کی تقسیم کے وقت مسلم لیگ نے اپنا کیس ریڈ کلف کمیشن کے سامنے ان سے پیش کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں کی پوری امید تھی' وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور پنجاب کے کئی مسلم اکثریت کے علاقے بھی ہاتھ سے نکل گئے' نتیجتاً کشمیر بھی پاکستان کے ہاتھ سے قریباً سارا ہی جاتا رہا۔ اسی طرح اقوام متحدہ (U.N.O) میں کشمیر کا مسئلہ اٹھانے کے لیے حکومت پاکستان نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہا' ظفر اللہ نے بھی لمبی تقریروں کے ریکارڈ توڑ دیے مگر انجام وہی ناکامی و نامرادی۔ بلکہ اس کے بعد کشمیر میں جنگ بندی ہوگئی اور کشمیر میں مقامی جنگ سے جو تھوڑے بہت علاقے آزاد ہو کر پاکستان کو مل رہے تھے' وہ بھی وہیں رک گئے اور اے قادیانیو! تمہارے لیے بھی ظفر اللہ کا وجود منحوس ثابت ہوا۔ کیونکہ سر ظفر اللہ کی وجہ سے عامۃ المسلمین نے ان کو وزارت خارجہ سے ہٹانے کا مطالبہ کیا اور انہی کے قائداعظم کا جنازہ نہ پڑھنے کے باعث مسلمانوں میں قادیانیوں سے شدید نفرت کا آغاز ہوا اور بالآخر ۱۹۵۳ء میں عظیم تحریک قادیانیت کے خلاف چلی۔ وہ اس اعتبار سے بھی منحوس وجود تھے کہ جس تحریک کے لیے انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں' مال و دولت' عزت سب کچھ وقف کر دیا تھا' مرنے سے پہلے اس کی اینٹ سے اینٹ بجتے دیکھ لی۔ غیر مسلم اقلیت قرار پانے اور مساجد' نماز اور شعائر اسلام پر پابندی کے علاوہ مرنے سے پہلے اپنے پیرو مرشد کا ملک سے چوروں کی طرح فرار ہونا دیکھنا پڑا۔ اس صدمے سے تو ان پر جانکنی کی کیفیت بن گئی جو ان کے ساتھ ان کی ساری نحوستوں کو بھی سمیٹ گئی۔ بالآخر قادیانی احباب سے بے لوث اور پر خلوص التجا انہی کے فائدے اور بہتری کے لیے ہے کہ وہ بصیرت سے کام لیں۔

آپ حضرات ظفر اللہ خاں کو اپنے مذہب کے بانی کا صحابی قرار دیتے ہیں اور پھر اپنے صحابی کو رسول کریمؐ کے صحابہؓ کے ہم پلہ یا ان سے برتر قرار دیتے ہیں۔ آپ نے مندرجہ بالا احوال پڑھے' آپ پر واضح ہے کہ یہ سب مشہور واقعات ظفر اللہ صاحب کے دوستوں' عزیزوں کے بیان کردہ ہی ہیں۔ آپ خود غیر جانبدارانہ اور خوف خدا سے کام لے کر سوچیں کہ کیا ایسا ناکام' نامراد' منحوس اور حرماں نصیب شخص صحابہؓ رسولؐ کے مرتبہ کا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ کو اپنے اس قسم کے فرسودہ عقائد سے فوراً توبہ کرکے دامان

محمدیؐ میں واپس لوٹ آنا چاہیے اور اپنی عاقبت اور دنیا کو تباہی سے بچالینا چاہیے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے تم اے قادیاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں ۔

(ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی، جلد ۵، شمارہ ۱۹-۲۰-۲۱)

جب ایک قادیانی کی قبر کھولی گئی کوٹ قیصرانی، تحصیل تونسہ، ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک امیر مند نامی قادیانی مرگیا۔ اس مردود کو قادیانیوں نے مسلمانوں کی مسجد کے صحن میں دفن کر دیا۔ مقامی مسلمان اس حادثہ سے چیخ اٹھے۔ ان غریبوں کی احتجاجی آواز کو بااثر قادیانیوں نے دبانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی پکار پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ان کی مدد کے لیے بجلی کی سرعت سے پہنچی۔ خانقاہ تونسہ کے چشم و چراغ خواجہ مناف صاحب بھی عشق رسولؐ کے ہتھیار سے مسلح ہو کر خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ جلوس نکالے گئے، کانفرنسیں ہوئیں اور حکومتی حکام سے مطالبہ کیا کہ قادیانی مردے کو مسجد سے نکالا جائے۔ حکومت نے ٹال مٹول کے ہتھیاروں سے کام لیا، لیکن عوام کے طوفانی احتجاج کے سامنے حکومت بے بس ہوگئی اور اسے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرنا ہی پڑا۔ چوہڑوں کے ذریعے مردود کی قبر کشائی کی گئی۔ جونہی قبر کھلی، بدبو کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس شدت کی بو کہ لوگوں کے سر چکرا گئے اور آنکھوں سے پانی نکل گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ غلیظ اور کٹا پھٹا لاشہ باہر نکلا تو مارے خوف کے چوہڑے بھی کانپ گئے۔ لاش قادیانیوں کے حوالے کر دی گئی، جنہوں نے چوہڑوں کے ذریعے ہی اسے اپنے گھر کے صحن میں دفن کر دیا۔ لیکن چند دنوں میں گھر میں ایسا تعفن پھیلا کہ گھر میں رہنا مشکل ہوگیا۔ آخر قادیانیوں نے تنگ آکر اسے وہاں سے اکھیڑ کر اپنے کھیتوں میں دفن کر دیا۔ چشم دید گواہ کہتے ہیں کہ جب دوسری مرتبہ قادیانی کی لاش کو نکالا گیا تو اس کی بدبو کئی میل دور تک گئی اور لوگ کئی دنوں تک اس بدبو کو محسوس کرتے رہے۔ اس عبرتناک واقعہ کو دیکھ کر کئی قادیانی مسلمان ہوگئے، جن میں سے کچھ مردے کے خاندان میں سے بھی تھے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی